444/19/04/2018

مقالہ نگار: عمار عبدالحئ
نگراں: پروفیسر ڈاکٹر سید شاہد علی
شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی
ای میل آئی ڈی: ammarjmi18@gmail.com

عنوان: انیسویں وبیسویں صدی کے ہندوستان میں مسلم مفکرین کا تصورِ تعلیم (سرسید احمد خان، محمد قاسم نانوتوی، شبلی نعمانی، ابوالکلام آزاد، مناظر احسن گیلانی، سید ابوالاعلی مودودی، خواجہ غلام السیدین کے حوالے سے)

کلیدی الفاظ: ہندوستان (انیسویں وبیسویں صدی)، اسلام، مسلم مفکرین، تعلیمی تصورات

تلخیص

زیر نظر مقالہ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کا تحقیقی مقالہ ہے۔ مقدمہ اور حرف اختتام کے علاوہ یہ مقالہ آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔ مقالہ کے لئے جن کتابوں کا مطالعہ کیا گیا ہے ان کے نام ''کتابیات'' (Bibliography) میں لکھ دئے گئے ہیں۔

باب اول: پہلے باب میں اسلام اور ارکان اسلام سے متعلق بنیادی باتیں درج کی گئی ہیں، ساتھ ہی مسلمان کون ہوتے ہیں؟ کا مختصر تجزیہ کیا گیا ہے۔ تعلیم سے مراد کیا ہے؟ تعلیم کا حقیقی اسلامی مطلب، تعلیم کی مختلف تعریفیں (ماہرین تعلیم کے حوالے سے) ذکر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اسلام میں تعلیم کے تصور سے متعلق قرآن وحدیث، صحابہ وتابعین اور ماہرین علوم اسلامیہ کے اقوال کی روشنی میں تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے، تعلیم کے مراد ومفہوم کو واضح کرنے کے لئے تعلیم کے موضوع پر لکھی گئی شاہکار کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔

باب دوم: دوسرے باب میں سرسید احمد خان اور ان کے تعلیمی نظریات کا مطالعہ کیا گیا ہے، سرسید کی زندگی کے مقاصد کا علم آپ کی تحریروں سے ہوتا ہے، سرسید کی تصانیف کو تاریخی ترتیب کی روشنی میں دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ نہایت اثر پذیر شخص تھے۔ سرسید کے بہت سارے مقاصد رہے جو مختلف نوعیتوں اور حیثیتوں کے تھے۔ لیکن اصل کام جس پر ان کی پوری ہمت اور توجہ صرف ہوئی وہ تعلیم کا مقصد تھا۔ باقی سب تحریکیں خواہ مذہبی یا سیاسی۔ معاشرتی یا ادبی سب اسی کے ذیل میں آجاتی ہیں۔

سرسید نے قدیم نظام تعلیم پر تنقیدیں کی ہیں۔ سرسید نے مسلمانوں میں رائج پرانے نظام ''درس نظامی'' کا جائزہ لیا اور کہا کہ مسلمان آج تک اپنی تعلیم کے لیے فرسودہ نظام اور نصاب اپناتے رہے ہیں جو کسی بھی قوم کی ترقی کے منافی ہے۔ اس ضمن میں سرسید نے مسلمانوں کی قائم کردہ جونپور، علی گڑھ، کانپور، سہارنپور، دیوبند، دہلی اور لاہور کی مذہبی درسگاہوں کو پیش کیا ہے اور ان کے تعلیمی نصاب کے لیے ناقص اور لغو جیسے الفاظ کا بھی استعمال کیا ہے۔

باب سوم: تیسرے باب میں مولانا قاسم نانوتوی اور ان کے تعلیمی نظریات سے بحث کی گئی ہے۔ مولانا قاسم نانوتوی کے تعلیمی نظریات میں مذہبی علوم وثقافت، ان کی آبیاری ونگہبانی اور ان کی ترویج واشاعت کا عنصر غالب رہا، یہی وہ بنیادی فرق تھا جس سے ایک ہی منزل تک پہونچنے کے لئے نانوتوی اور سرسید کے راستے جدا ہوگئے۔

باب چہارم: چوتھے باب میں علامہ شبلی نعمانی اور ان کے تعلیمی نظریات کی وضاحت کی گئی ہے۔ شبلی ایک قدیم طرز کی روایتی مولوی نہ تھے بلکہ اب ان کی حیثیت ایک عملی دانشور اور ایک وسیع الذہن عالم کی تھی۔ شبلی کے نزدیک دراصل دین اور دنیا کو

الگ الگ خانوں میں بانٹنے کا نتیجہ تھا دینی و دنیوی تعلیم میں تفریق۔ شبلی مغرب کی پیروی اور اندھی تقلید نہیں کرنا چاہتے تھے، انھیں اپنی قدیمی روایات سے بھی لگاؤ تھا اور جدت پسند تھی مگر ایسی جدت جس کی اساس ماضی کی خوشگوار بنیادوں پر ہو۔

باب پنجم: پانچویں باب کے اندر مولانا ابوالکلام آزاد اور ان کے تعلیمی نظریات سے بحث کی گئی ہے۔ مولانا آزاد نے بہت پہلے ہی ہندی زبان کو اعلیٰ تعلیم میں میڈیم کے طور پر استعمال کرنے کی وکالت کی تھی، انگریزی زبان پر ضرورت سے زیادہ تکیہ کرنے کا ایک اور نقصان یہ ہوا کہ ہمارے سماج کا کمزور اور پچھڑا طبقہ جس کی ابتدائی تعلیم اپنے مخصوص سماجی و معاشی پس منظر کے باعث، ہندی یا کسی دوسری علاقائی زبان میں ہوتی ہے، میں اسٹریم سے کٹتا چلا گیا۔ اس طرح سماج میں طبقاتی عدمِ مساوات کی کھائی گہری ہوتی گئی۔ دنیا میں جہاں کہیں بھی قومی زبان کو اعلیٰ تعلیم کے حصول میں میڈیم کا درجہ ملا ہے، وہاں وہاں ترقی کی رفتار ہندوستان سے زیادہ رہی ہے اور سماج اور معاشرے میں اطمینان کی لہر یہاں کے مقابلے زیادہ ہے۔ مولانا آزاد مدرسوں کی جدید کاری کے بھی قائل تھے۔

باب ششم: باب ششم میں مولانا مناظر احسن گیلانی اور ان کے تعلیمی نظریات کے حوالے سے گفتگو کی گئی ہے۔ مناظر احسن گیلانی نے نئی نسل کو دین سے قریب لانے اور دین و دنیا کی تفریق سے بچانے کے لئے وحدت نظام تعلیم کا نظریہ پیش کیا، اور اپنی اس تعلیمی تجویز کا نام ''نظریہ وحدتِ نظام تعلیم'' رکھا۔

باب ہفتم: ساتویں باب میں سید ابوالاعلیٰ مودودی اور ان کے تعلیمی نظریات کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ مولانا کے تعلیمی نظریات میں معرفت الٰہی کا غلبہ نظر آتا ہے اور تعلیم کا مقصد بھی ایسے افراد تیار کرنا ہے جو دین کے اصولوں کے مطابق دنیا کی رہنمائی کرنے کی قابلیت رکھتا ہو۔ تعلیم کا مقصد ایسے افراد تیار کرنا ہے جو دور جدید میں دین کے اصولوں کے مطابق ٹھیک ٹھیک دنیا کی رہنمائی کرنے کے قابل ہوں۔ گویا تعلیم کا اہم مقصد بہترین شہری پیدا کرنا ہے۔ تاکہ وہ دنیا کی امامت کرنے کے قابل بن سکیں۔ جس قوم کا مقصد دنیا میں لیڈر شپ حاصل کرنا ہے وہ اپنی تعلیم کو اس طرح استوار کرتی ہے جس سے یہ مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ تعلیم کا سب سے بڑا مقصد ایسے افراد تربیت ہے جو دنیا کی رہنمائی کر سکیں مقاصد تعلیم میں ان کو مدنظر رکھنا لازمی ہے۔

باب ہشتم: آٹھویں باب کے اندر خواجہ غلام السیدین اور ان کے تعلیمی نظریات پر بحث کی گئی ہے۔ سیدین صاحب کے نظریات میں تعلیمی نفسیات کا دخل زیادہ ملتا ہے۔

جب تک افراد کی تعلیم اور ان کے فطری قوتوں کی نشوونما کے لیے کوئی مناسب انتظام نہ کیا جائیگا وہ اپنے ماحول کو سمجھنے اور اس سے کام لینے سے قاصر رہیں گے اور زندگی کے کاروبار میں عمدگی کے ساتھ حصہ نہ لے سکیں گے۔ سیدین صاحب یونیورسٹیوں میں جو سمسٹر کا نیا طریقہ شروع ہوا ہے اس میں بہت سے فائدے تسلیم کرتے ہیں لیکن وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ طریقہ بیسویں صدی کی تہذیب کی اس جلد بازی کا مظہر ہے جس کے نتیجہ میں ہر بات فوراً ہو جانے کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔

حرف اختتام: حرف اختتام کے تحت تاریخی پس منظر میں ڈیڑھ سو سالہ مدت پر محیط ماہرین تعلیمات کے تعلیمی تصورات کا مختصر خاکہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ساتھ ہی تعلیم نسواں کے تعلق سے علامہ شبلی، مولانا آزاد اور مولانا مودودی کے تعلیمی نظریات جامع انداز میں ذکر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔